دوسرا فقہی سمینار

☆ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت

☆ ترقیاتی قرضے وسودی لین دین

سوالنامہ:

نوٹ کی شرعی حیثیت

عہد قدیم میں اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہوا کرتا تھا۔مختلف معاشی وجوہ سے سونے چاندی کو ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا اور اس کے سکے بازار میں جاری ہوگئے اور ان کے ذریعہ اشیاء کی خرید وفروخت جاری ہوئی ۔ضرورت پڑی کے ایسے چھوٹے سکے بھی ہوں جن سے چھوٹی چھوٹی چیزیں حاصل کی جاسکیں تو دوسری کم قیمت دھاتوں کے سکے بھی رواج پذیر ہوئے۔ یہاں تک کہ کسی زمانہ میں لوہے کے چھوٹے ٹکڑے اور کوڑی بھی ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے رواج پذیر رہے۔

مختلف معاشی اسباب کی وجہ سے آہستہ آہستہ سونے چاندی کی کرنسی (CURRENCY) کا رواج ختم ہوگیا اور دوسری دھاتوں کی کرنسی کا رواج بھی کم سے کم تر ہوگیا، اوران کی جگہ کاغذی نوٹ جاری ہوگیا۔شروع میں ایسا سمجھا جاتا تھا کہ ان کاغذی نوٹوں کا رشتہ سونے چاندی کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور حکومتیں اتنا ہی نوٹ جاری کرتی ہیں جتنی مقدار میں متبادل صورت میں ان کے پاس سونا یا چاندنی موجود ہوتی ہے، آہستہ آہستہ یہ رشتہ بھی کمزور ہوتا گیا،نوٹوں پر لکھی ہوئی یہ عبارت کہ'' حکومت اس نوٹ کے حامل کو اس کی مقدار میں دینار، درہم، ڈالر، پونڈ، ین، ریال یا روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے'' بے کاری ہوکر رہ گئی۔اب کوئی بھی حکومت اس نوٹ کے عوض سونے یا چاندی کے اصل سکے ادا کرنے یا سونے یا چاندی کی اس مقدار کو ادا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر حکومت کسی نوٹ کو کالعدم قرار دیتی ہے تو وہ ایک مخصوص اعلان شدہ مدت کے دوران اس کے عوض نیا جاری شدہ نوٹ اسی قیمت کا ادا کردیتی ہے۔غرض یہ کہ تجربہ اور مشاہدہ کی بات یہی ہے کہ حکومتوں کی طرف سے جاری کئے گئے نوٹ اب سونے اور چاندی کے ساتھ ہم رشتہ نہیں رہے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ سونے چاندی یا کسی دھات کا سکہ اگر اس کی کرنسی کی حیثیت ختم ہوجائے تب بھی ایک دھات ہونے کی حیثیت سے اس کی مالیت برقرار رہتی ہے، بخلاف نوٹوں کے کہ اگر ان کی قانونی حیثیت ختم ہوجائے تو یہ کاغذ کا بے قیمت پرزہ بن کر رہ جاتے ہیں جن کی کوئی مالیت نہیں ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوٹ کا جب رواج شروع ہوا تو اس کی قانونی اور رواجی حیثیت سند اور حوالہ کی تھی، اسی لئے علماء سلف جن کے سامنے یہ مسئلہ آیا انہوں نے اسے سند اور حوالہ قرار دیا،لیکن جیسے جیسے سونا یا چاندی کی کرنسی بازار سے اٹھتی چلی گئی اور نوٹ بے دھڑک بازار میں استعمال کیا جانے لگا۔اور حکومتوں نے جمع سونے اور چاندی کی مقدار کو نظر انداز کرکے نوٹ چھاپنے شروع کئے ۔ رواجاً اور عرفاً اس کی حیثیت بجائے سند اور حوالہ کے خود مستقل ثمن کی ہوگئی، اب یہ بات طے کی جانی چاہئے کہ موجودہ عہد میں شرعاً اسے محض سند اور حوالہ تسلیم کیا جائے یا اسے ثمن قرار دیا جائے۔ یا کیا ایسا بھی سوچا جاسکتا ہے کہ نوٹ جو اصلاً سند وحوالہ تھا اور اب یہ رواجاً ثمن ہے اس میں دونوں جانب کی مشابہتیں ہیں۔تو کیا فقہاء غور وفکر کے بعد نوٹ کی ہر دو حیثیتوں کو سامنے رکھ کر نوٹ کے شرعی احکام مقرر کرسکتے ہیں۔اگر ہاں تو کیا؟

اس ذیل میں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ اگر نوٹ کو محض سند اور حوالہ تسلیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نوٹ کے ذریعہ

اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک زکوٰۃ لینے والا اس سے کسی شی کا تبادلہ نہ کر لے، اسی طرح قرض کی صورت میں جتنے نوٹ بطور قرض دیئے گئے ہیں اتنے نوٹ کی واپسی نہ ہوگی بلکہ سونے اور چاندی کی جتنی مقدار کے لئے اس نوٹ کو سند تسلیم کیا جائے گا۔ اتنی مقدار سونے یا چاندی کی قیمت کے ادا کرنے ہوں گے۔

اسی طرح سند اور حوالہ ہونے کی صورت میں بین الاقوامی مارکیٹ میں ایک ملک کے نوٹ کو دوسرے ملک کے نوٹ سے تبدیل کر تے وقت ایسے دو نوٹ جو سونے کے سکوں کی سند ہیں یا ایسے دو نوٹ جو چاندی کے سکوں کی سند ہیں ہر دو نوٹ کے تبادلہ میں معتبر قدر زر کے درمیان مساوات اور فوری قبضہ ضروری ہوگا۔ پس یہ اور اس طرح کے کئی مسائل صرف سند ماننے کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔

اس ذیل میں ایک امر یہ قابلِ لحاظ ہے کہ سونا اور چاندی کو فقہاء ثمن خلقی کہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض ذریعہ تبادلہ نہیں بلکہ ایک حد تک اشیاء کی قدر و قیمت کی حفاظت اور دیون (مؤخر مطالبے) کی ادائیگی کا معیار بھی ہے۔ اسی لئے اگر چہ سونے چاندی کے سکے کی قانونی حیثیت ختم ہو جائے پھر بھی وہ سکہ اپنی قدر و قیمت کو برقرار رکھتا ہے، اس لئے مثلاً اگر سو دینار مہر مقرر کیا جائے اور ہر دینار ایک تولہ سونے کا تسلیم کیا جائے تو اگر وہ سکہ قانونی حیثیت کھو دے تو بھی سو تولہ سونا ادا کرنا ہوگا، اسی طرح مہر مقرر کرتے وقت جو قدر ملحوظ تھی وقت گذرنے کے بعد بھی وہ قدر باقی رہتی ہے۔ نوٹ کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ اگر اسے محض ثمن تسلیم کر لیا جائے تو پچاس برس گذرنے کے بعد بھی وہی نوٹ یا متبادل نوٹ جو اسی مالیت کا جاری کیا گیا ہو۔ ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اس نوٹ سے حاصل ہونے والے سونے چاندی کی مقدار میں کتنا ہی فرق پڑ گیا ہو۔

علماء معاشیات کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اشاریہ (INDEX) کے ذریعہ نوٹ کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے اور اس متعین قدر کی ادائیگی واجب قرار دی جائے، مثلاً آج اگر روپیہ کی قدر بارہ پیسوں کے برابر ہے تو آگے چل کر جب مہر یا کسی دین کی ادائیگی کا وقت آئے تو روپیہ کی قدر گھٹ کر چھ پیسے ہوگئی تو ادائیگی سو روپیہ دین کی دو سو روپیہ کے نوٹ سے ہوگی، یا روپیہ کی قدر بڑھ کر ۲۴ پیسے ہوگئی تو سو روپے کی ادائیگی پچاس روپے کے نوٹ سے ہو جائے گی۔ علماء و فقہاء کے لئے یہ بات قابلِ غور ہے، رائج کرنسی کے قدر کے گھٹنے اور بڑھنے (غلا اور رخص) اور قوت خرید کے کم اور زیادہ ہو جانے کی صورت میں اور خاص کر اس وجہ سے کہ افراط زر تیز رفتاری کے ساتھ روپیہ کی قدر گھٹا تا جا رہا ہے یا صفر سے بھی نیچا چلا جاتا ہے، مثلاً ایک عورت کا مہر ۱۹۵۰ء میں پانچ سو روپے مقرر ہوا تھا جس کے عوض میں ڈھائی سو تولے چاندی ملتی تھی، اب ۱۹۸۳ء میں ادائیگی کے وقت اگر ہم اسے پانچ سو روپے دلواتے ہیں تو اس پانچ سو روپے میں صرف سوا چھ تولہ چاندی آتی ہے۔ پس یہ اہم سوال ہے کہ شریعت میں جو عدل ملحوظ ہے اس طرح پر ادائیگی اس عدل کو پورا کرتی ہے یا نہیں۔

براہ کرم مندرجہ بالا تمہید کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں:

۱- کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲- زر حقیقی یعنی سونے چاندی کے دینار و درہم اور زر اصطلاحی یعنی کاغذی نوٹ کے شرعی احکام یکساں ہوں گے یا ان میں کوئی فرق ہوگا؟

۳- کرنسی نوٹوں کا نصاب زکوٰۃ کس اعتبار سے مقرر کیا جائے؟ یعنی بعض کرنسی ابتدائی زمانہ میں سونے کی رائج تھی، مثلاً دینار اور اس کے متبادل کے طور پر نوٹ جاری کیا گیا۔ بعض کرنسی چاندی کی رائج تھی اس کے متبادل نوٹ جاری کیا گیا تو آج کے کرنسی نوٹوں میں نصاب زکوٰۃ مقرر کرتے وقت سونے کا اعتبار کا جائے گا یا چاندی کا؟

۴- کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے۔ کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعاً یہ صحیح ہوگا کہ دیون یعنی مؤخر مطالبوں مثلاً قرض، مہر، پنشن، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کر دیا جائے اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعہ ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسے معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مستقل تنازعہ کا موجب ہوگا۔ نیز یہ کہ اس طرح سو روپے کے بدلے پانچ سو روپے کی ادائیگی باب ربوا کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی؟

۵- کیا یہ جائز ہوگا کہ نوٹوں کی شکل میں قرض دیتے وقت، یا مہر کے تقرر کے وقت، یا ادھار فروختگی کے وقت، طرفین واجب الاداء نوٹ کی مالیت سونے یا چاندنی میں طے کرلیں اور بوقت ادائیگی اس قدر سونے یا چاندی کی قیمت کے مساوی نوٹوں کی ادائیگی پر معاملہ طے کرلیں؟

☆☆☆

سوالنامہ:

بینک انٹرسٹ وسودی لین دین

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

قرآن وسنت میں ربوا کی حرمت جس شدت وقطعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، دوسری طرف موجودہ ربوا کے بینکنگ نظام نے ایسی صورت حال پیدا کردی ہے کہ سماج کے اکثر افراد خصوصا اعلی اور متوسط طبقہ کا بینکوں سے برابرواسطہ پڑتا ہے، بینکوں سے معاملات پڑنے کی وجہ سے ربوا کے بارے میں مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں، جن کے بارے میں عصر حاضر کے بابصیرت فقہاء اور ارباب افتاء کا اجتماعی فیصلہ امت مسلمہ کے سامنے آنا چاہئے، اسی طرح حکومت ترقیاتی اسکیموں کے تحت قرضے تقسیم کرتی ہے اوران قرضوں پر کچھ سود بھی وصول کرتی ہے، ان ترقیاتی قرضوں کے بارے میں جو فقہی سوالات ابھرتے ہیں وہ بھی اصلا ربوا ہی کے مسئلہ سے مربوط ہیں، اس نوعیت کے بہت سے مسائل اس بات کے متقاضی ہیں کہ ربوا کے بارے میں چند اصولی باتیں طے کرکے اہم سوالات کے شرعی جوابات دیئے جائیں، اس پس منظر میں مندرجہ ذیل سوالات وتنقیحات جواب وتحقیق کے لئے پیش خدمت ہیں۔ اگر آپ کی نظر میں کوئی اہم سوال یا تنقیح رہ گئی ہوتو اسے بھی شامل کرلیں۔

۱- ربوا کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ اوراس کا دائرہ کیا ہے؟

۲- کیا دارالحرب میں سودی معاملات، حقیقت قرار نہیں دیئے جاسکتے، اس وجہ سے کہ اموال اہل حرب معصوم اور قابل ضمان نہیں، اورسود کے تحقق کے لئے بدلین کا معصوم ومتقوم ہونا ضروری ہے، لہذا اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے حقیقت ربوا کا تحقق ہی نہیں ہوگا اگر چہ وہ معاملات صورۃً سودی معاملات ہوں؟

۳- دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف کیا ہے اور شرطیں کیا ہیں، اور کیا موجودہ حالات میں ''دار'' کا حصر دارالاسلام اور دارالحرب میں درست ہے، کیا ہندوستان (جیسا ملک جہاں ایک دستوری حکومت، تمام شہریوں کے مساوی حقوق کی بنیاد پر قائم ہے اور قانونی و دستوری نقطۂ نظر سے بلاتفریق مذہب وزبان وعلاقہ ہرشہری کو اپنے مذہبی شعائر کی آزادی کے ساتھ ملک کے وسائل آمدنی سے منتفع ہونے کا مساوی حق ہے) دارلحرب ہے؟ اگر دارالاسلام اور دارالحرب کےعلاوہ دار کی کوئی تیسری قسم ہے تو وہ کیا ہے اوراس کی شرطیں کیا کیا ہیں؟

۴- بینکوں میں جمع شدہ رقوم پر جوسود ملتا ہے اس کا بینکوں سے لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، اور لینے کے بعد اسے کس مصرف میں خرچ کیا جائے، سرکاری بینکوں اور غیر سرکاری بینکوں سے سود لینے کے حکم میں کوئی فرق ہے؟

۵- سود لینے اور دینے کے حکم میں کیا کوئی فرق کیا جاسکتا ہے، اور کیا غیر اسلامی ملک میں واقعی کچھ ایسی مجبوریاں ہوسکتی ہیں جن کی

بنیاد پر سود دینا جائز ہو؟

۶-کیا سودی قرضے لینے کی کسی حال میں شرعاً گنجائش ہے؟ کن حالات اور کن مجبوریوں کے تحت مسلمان کے لئے سودی قرض لینا جائز ہوسکتا ہے؟

۷- حکومت ترقیاتی اسکیموں، مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی ،صنعت وحرفت کی ہمت افزائی نیز بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے جو سودی قرضے تقسیم کرتی ہے اس کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا حکم عام سودی قرضوں کی طرح ہے یا اس سے کچھ مختلف ہے؟

کیا اس بنیاد پر حکومت کے سودی قرضوں کا لینا جائز قرار پا سکتا ہے کہ حکومت ہند ترقیاتی قرضوں کے لئے جو رقم مختص کرتی ہے وہ اس کی مختلف ذرائع سے ہونے والی آمدنی کا ایک حصہ ہوتا ہے اور جمہوری حکومت کے خزانہ عامہ کی مالک اس ملک کے شہریوں کی مجموعی اکائی ہوتی ہے ،اس خزانہ عامہ میں سے جو رقم ترقیاتی اسکیموں کے لئے مختص کی گئی ہے، اس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حق حاصل ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس حق کی تحصیل کے لئے جب آگے بڑھتا ہے تو ان قرضوں پر سود عائد کرنے کی پالیسی آڑے آتی ہے، لہذا جس طرح اپنا حق وصول کرنے کے لئے بہت سے فقہاء نے رشوت دینے کو جائز کہا ہے اسی طرح یہاں حق وصول کرنے کے لئے مجبوراً سود دینے کی اجازت کیوں نہ دی جائے؟

۸- اگر حکومت کسی قرض پر کوئی چھوٹ بھی دیتی ہو اور اس پر سود بھی عائد کرتی ہو تو اگر چھوٹ کا تناسب سود کے مساوی ہے تو کیا اس قرض لینے کو شرعاً جائز کہا جائے گا؟

۹-غیر ممالک سے تجارت کی صورت میں بسا اوقات سود ادا کئے بغیر چارہ نہیں، مال کی روانگی کے دن سے ہی سود لگا دیا جاتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی تاجر دیگر ممالک کو مال برآمد کرے تو بین الاقوامی تجارتی ضوابط کے تحت اسے سود ملتا ہے، درآمد برآمد کی اس تجارت میں سود سے نجات مشکل ہے، ان صورتوں کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

۱۰- بینک دو طرح کے ہیں ایسے بینک جس کے مالک اشخاص وافراد ہوتے ہیں اور دوسرے سرکاری بینک جو حکومت کی ملکیت ہے، کیا قرض لے کر سود ادا کرنے کے بارے میں دونوں قسموں کے بینکوں کے حکم میں کچھ فرق ہوگا؟

۱۱- کچھ افراد یا کمپنیاں سرمایہ کرتی ہیں یعنی صنعت وحرفت اور تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرتی ہیں اور اس پر سود لیتی ہیں، مثلاً کوئی شخص اگر ٹرک حاصل کرکے چلانا چاہتا ہے تو وہ اپنی پسند کا ٹرک خریدتا ہے، سرمایہ کار اس کی قیمت ادا کرتا ہے اور قسط وار اپنا سرمایہ مع سود وصول کرلیتا ہے، سرکاری بینکوں سے سرمایہ حاصل کرنے میں ضابطہ کی خانہ پوری طول عمل کا موجب ہوتی ہے، دوسری طرف رشوت دینی پڑتی ہے، تیسری طرف انکم ٹیکس وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں، ان سے بچنے کے لئے عام طور پر تاجر وصنعت کار پرائیویٹ سرمایہ کاروں سے معاملہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہوگا کہ ان پرائیویٹ سرمایہ کاروں سے اپنی صنعت وتجارت کی ترقی کے لئے سرمایہ حاصل کرے اور اس پر سود ادا کرے، واضح رہے کہ یہ صورت حاجت واضطرار کی نہیں ہے۔

☆☆☆

تجاویز:

دوسرا فقہی سمینار

منعقدہ: ۸-۱۱؍جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱؍دسمبر ۱۹۸۹ء، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

دوسرا فقہی سمینار جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں ۸ تا ۱۱؍دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق ۸ تا ۱۱؍جمادی الاول ۱۴۱۰ھ منعقدہ ہوا، جس میں ہندوستان کے بیشتر معروف علمی و تحقیقی مراکز نیز بیرون ملک سے علماء و محققین، ارباب افتاء اور دانشور شریک ہوئے، اس سمینار میں بنیادی طور پر دو موضوعات زیر بحث تھے:

☆ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت

☆ ترقیاتی قرضے وسودی لین دین

لیکن موضوع سے گہرا تعلق رکھنے والے دیگر مسائل بھی زیر بحث آئے جن میں:

☆ ہندوستان کی شرعی حیثیت

☆ بنک انٹرسٹ

☆ غیر سودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری

☆ بین الاقوامی تجارت پر سود

☆ تجارتی سود اور اسلامی شریعت

موضوعات شامل تھے، ان میں بعض موضوعات پر مزید غور اور معلومات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے فیصلہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کیا گیا، بقیہ موضوعات کی بابت فیصلے کیے گئے۔

پہلے فقہی سمینار کے باقی ماندہ دو موضوعات:

☆ پگڑی

☆ اعضاء کی پیوندکاری

کی بابت بھی فیصلے کیے گئے:

پگڑی:

۱- مالک مکان زرضمانت وڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو بعینہ محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کردے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کردے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے

وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے۔ یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی۔ آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہوجائیں مالک مکان سے وصول کرلے، اور اسی طرح کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پگڑی لئے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے۔ البتہ مالک مکان کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان ایسی مہلت دے جو مقامی حالت کے پیشِ نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو، اور کرایہ دار کو چاہئے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کردے۔

۴- جو مکان یا دوکان بغیر پگڑی لئے کرایہ پر دی گئی ہو، مالک مکان کو مکان واپس کرتے وقت کرایہ دار کے لئے اس سے پگڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

۵- سمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں، شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلقہ امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کرلیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کرلیا جائے اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان خالی کرانے کے حق سے دست بردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحۃً آپس میں اس کو طے کرلیں۔

اعضاء کی پیوندکری:

۱- کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے:

الف- غیر حیوانی اجزاء کا استعمال۔

ب- ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریقۂ شرعی ذبح کئے گئے ہوں۔

ج- جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

۲- اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳- اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۴- اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہوکر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کرسکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵- اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶- اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوندکاری کے لئے استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔ (نوٹ: مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کو دفعہ ۴، ۵ سے اتفاق نہیں ہے)۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت:

موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعہ تبادلہ نہیں رہا، اور کاغذی نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قوانین بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دیتے ہیں اور بحیثیت ثمن نوٹوں کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں، غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زر قانونی کی ہوگئی ہے۔ کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور وخوض کرنے کے بعد شرکاء سمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے:

۱- کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳- دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

۴- کرنسی نوٹوں پر زکوۃ لازم ہے۔

۵- نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب، چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

۶- مؤخر مطالبات کے سلسلے میں کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر وقیمت میں ہونے والے اتار چڑھاؤ کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا

جائے یانہیں؟

اس سلسلہ میں شرکاء سمینار کے درمیان دونقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔کمیٹی کی رائے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور وفکر کے بعد کیا جائے گا۔

مہر کا شرعی حکم:

اس اجلاس کا احساس ہے کہ مہر کی سونے اور چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تا کہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔

سود سے متعلق مسائل:

۱- ربو(سود)قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲- سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳- ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴- ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو اکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی مفاد عامہ کے لئے جبراً خریدی جاتی ہیں) اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیشِ نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے۔ مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو اکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں۔سمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں بلکہ قیمت کا جزء ہے جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۵- سرکاری بنکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اور ان پر ادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کر کے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچے۔

بنک انٹرسٹ:

بنک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکاء سمینار کا اتفاق ہے۔انٹرسٹ کی رقم بنک سے نکالی جائے یا چھوڑ دی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں طے پایا کہ:

۱- بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲- بینک کے سود کی رقم کو بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کردیا جائے اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔

تجارتی سود اور اسلامی شریعت:

سود کے سلسلے میں بحث ومباحثہ اور غور وفکر کے بعد اس ایوان کی متفقہ رائے حسب ذیل قائم ہوئی:

سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی وکاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے۔ یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لئے حرمت ربوٰ کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا، کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عرب کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھا۔ چنانچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین تحریم ربا کا اولین مورد ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی وکاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں۔ قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربوٰ کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔

بین الاقوامی تجارت پر سود:

بین الاقوامی تجارت کے سلسلہ میں کمیٹی نے اس کی صورت مسئولہ اور دوسری شکلوں پر غور کیا۔ کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ اس تجارت کی جدید ومتنوع اور پیچیدہ شکلوں کی مزید تنقیح وتوضیح کی ضرورت ہے، اس لئے اس موضوع پر معاشیات کے ماہرین اور فقہاء کی تحریروں کو سامنے رکھ کر آئندہ کے لئے ایک تفصیلی سوال نامہ تیار کیا جائے اور اس کی روشنی میں اہل الرائے کی رائیں طلب کی جائیں، اور اس سلسلہ میں ایک جامع خاکہ پیش کرنے کی ذمہ داری ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی پر ڈالی گئی۔

غیر سودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری:

دوسرا فقہی سمینار سودی معاملات سے متعلق غور وفکر کے ذیل میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ غیر سودی بینک کاری اور مقامی سطح پر ایسی سوسائٹیز کا قیام جو غیر سودی بنیادوں اور جائز شرعی عقود ومعاملات کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور امداد فراہم کرنے کا کام انجام دے، مفید ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایسے نظام سامنے ہوں جو شرع سے متصادم نہ ہوں۔ اس وقت ملک میں ایسی کوششیں جاری ہیں، لیکن

ان کوششوں میں باہم تنظیم اور یکسانیت کا فقدان ہے۔ یہ سمینار ضروری سمجھتا ہے کہ جدید بینکنگ کے اصولوں اور شریعت کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے غیر سودی بینک کاری کا ایک منصوبہ (Project) تیار کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو سود کی حرمت سے بچائے اور ان کو معاشی استحکام بخشے بلکہ دیگر پسماندہ اور کمزور انسانی طبقات کو بھی سہارا دے سکے جو امت رحمۃ للعالمین کا فریضہ ہے۔

اس سلسلہ میں سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسے خاکہ اور منصوبہ (Project) کی تیاری کے لئے علماء وفقہاء نیز بینکنگ اور معاشیات کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے۔

دارالاسلام، دارالحرب اور مختلف ممالک کی حیثیت کا تعین:

دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز، یا یہ کہ دارالحرب میں سود کے ثبوت کی ضروری شرط، اموال کا معصوم ہونا موجود نہیں، اس لئے دار الحرب میں سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا، اور آیا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، اور یہ کہ ہندوستان جمہوریہ دارالکفر ہوتے ہوئے بھی ان ممالک کی فہرست میں آتا ہے کہ نہیں جن میں اموال معصوب نہیں رہتے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات پر سمینار میں غور کیا گیا اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا، اگرچہ سمینار میں عام رجحان یہ رہا کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں سودی کاروبار کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاسکتا لیکن پھر بھی مقالات اور مباحث میں آنے والے مختلف نکتہائے نظر کا پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسی کمیٹی تشکیل کیے جانے کی سفارش کرتا ہے جس میں محقق علماء وفقہاء کے علاوہ ماہرین علم سیاست، دستوری قوانین اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین کے ماہرین کو شریک کیا جائے۔ یہ کمیٹی اس کا جائزہ لے کہ اسلام کی دستوری ہدایات اور اسلامی قانون بین الممالک کی روشنی میں آج کے مختلف نظامہائے حکومت کو کتنی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور ان کے علاحدہ علاحدہ کیا حکم ہوں گے۔ اس سلسلے میں دوممالک کے باہمی تعلقات اور ان میں سے ایک کے لئے دوسرے کی حیثیت اور ساتھ ہی خود اس ملک میں بسنے والی مسلم آبادی کے اپنے ہم وطنوں اور اپنے ملک کی حکومت کے ساتھ تعلقات کی قانونی نوعیت شرع اسلامی کی روشنی میں کیا ہونی چاہئے۔

یہ کمیٹی اس پر بھی غور کرے کہ کچھ ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں جن میں معاملات ربوٰ اور عقود فاسدہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دیئے جائیں۔

✣ ✣ ✣